پروفیسر فتح محمد ملک

ریکٹر، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

ایک ہی خواب کا عہد در عہد سفر

Professor Fateh Muhammad Malik

Ractor,International Islamic Univesity,Islamabad

Journey of a Dream During Different Eras

This essay is an attempt to understand the significance of a recurring dream of Muslim renewal and reform. The spiritual as well as political significance of this dream can only be understood with a reference to the intellectual and political struggle of the sensitive souls of our reformers during the course of the last three centuries, starting from the life and times of Tipu Sultan in the 18th Century to this day.

انتظار حسین کے افسانہ بعنوان ''دائرہ'' کا مرکزی کردار قیامِ پاکستان کے ہنگام اپنی چھوڑی ہوئی بستی کو بار بار خواب میں دیکھتا ہے۔ اس کے گلی کوچوں میں گھوم پھر کر بستی کی کربلا تک رسائی میں کوشاں رہتا ہے مگر ہمیشہ نارسائی ہی اُس کا مقدّر ٹھہرتی ہے۔ دراصل یہ افسانہ اُن کے پہلے افسانوی مجموعے ''گلی کوچے'' کی پہلی کہانی ''قیوما کی دُکان'' کی بازآفرینی سے عبارت ہے مگر بہ اندازِ دِگر۔ سن انیس سو اڑتالیس میں لکھی گئی کہانی ''قیوما کی دُکان'' میں بستی کی مسلمان شناخت نمایاں ہے۔ جبکہ پچاس برس بعد لکھی گئی کہانی ''دائرہ'' میں اِس بستی کی مسلمان شناخت گُم ہو چکی ہے اور کہانی کا واحد متکلم اُس مسلمان شناخت کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ ''دائرہ'' میں ہولی کھیلنے والی ٹولیوں، رام چندر جی کی برأت اور مہاتما گاندھی کی جَے کے نعروں کے نئے مناظر بستی کی ہندو شناخت کا اثبات کرتے نظر آتے ہیں۔ اِس کے برعکس اپنی متروکہ بستی کے خواب در خواب مناظر پیش کرتے وقت کہانی کا واحد متکلم ہر خواب کے اختتام پر سوچنے لگتا ہے کہ اِس بستی کی حقیقی پہچان کیونکر گم ہوگئی؟ اِس سوال کے جواب کی تلاش میں وہ اپنے سفرِ شوق کی آخری منزل یعنی مسلمان شناخت کی تلاش و جستجو میں سرگرمِ سفر رہتا ہے۔ اُس کے خیال میں اِس بستی کا وجود تو امام بارگاہ سے عبارت ہے مگر حیف کہ:

> ''کربلا تک تو میں ابھی پہنچا ہی نہیں ہوں۔ اس طرف جاتا ہوں۔ پھر پتہ نہیں رستے میں کیا ہو جاتا ہے اور فوراً ہی آنکھ کھل جاتی ہے۔ کربلا کے بغیر تو یہ سارا نقشہ نامکمل ہے۔ وہ ہی تو اس بستی کے سارے داخل خارج کا نقطۂ عروج تھا۔ وہیں جا کر یہ پورا نقشہ پایۂ تکمیل کو پہنچتا تھا۔ ہمارے بھی سفر شوق کی آخری منزل تو وہی تھی۔''(۱)

سفرِ شوق کی آخری منزل تک رسائی کے لیے:

''میں کتنی دیر بھٹکتا پھرا؟ پریشان کہ مجھے تو کربلا پہنچنا ہے۔گلیوں میں کب تک بھٹکتا پھروں گا؟ آگے بڑھا تو رستہ بند۔ارے یہ تو اندھی گلی ہے۔اندھی گلی؟ ہمارے محلّہ میں تو کوئی اندھی گلی نہیں تھی۔ میں تو جانوں کہ پورے نگر ہی میں نہیں تھی۔ بہت پریشان ہوا کہ میں تو اندھی گلی میں آ کر پھنس گیا۔کیسے نکلوں گا؟ کیسے کربلا پہنچوں گا؟''(۲)

نصف صدی بعد اس کہانی کا واحد متکلم ''خوابوں میں آوارہ گردی'' کرتے کرتے جب اُس بستی میں پہنچتا ہے جس سے وہ قیامِ پاکستان کے ہنگام نکل کھڑا ہوا تھا تو محسوس کرتا ہے کہ یہ قیوما کے زمانے کی بستی نہیں ہے بلکہ ایک ایسا ''روپ نگر'' ہے جس میں وہ ہزار کوشش کے باوجود کربلا تک رسائی سے محروم رہتا ہے۔خواب ہی خواب میں وہ بستی کے گلی کوچوں، چوراہوں اور بازاروں سے گزر کر کربلا تک رسائی میں کوشاں رہتا ہے کہ اچانک اُس کی آنکھ ایک مرتبہ پھر کُھل جاتی ہے،خواب ایک مرتبہ پھر ادھورا رہ جاتا ہے اور وہ ایک مرتبہ پھر اِس فکر میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ بستی کی مسلمان شناخت کی بازیافت کیونکر ممکن ہے؟:''کربلا کتنی دور ہے۔ جو گم گیا ہے وہ کب ملے گا؟ کب اس خواب کا جاگنے کے ساتھ ملاپ ہوگا؟''(۳).....ہماری قومی تاریخ میں اِس سوال کی گونج کراں تا کراں سُنائی دیتی ہے۔جاننا چاہیے کہ یہ خواب جیتے جاگتے حقائق سے کہیں زیادہ حقیقت افروز ہیں۔اِن خوابوں کی پوری معنویت ہم پر تب منکشف ہوگی جب ہم اپنی قومی سرگزشت کے تناظر میں ٹیپو سلطان سے لے کر انتظار حسین تک اِن خوابوں کے عہد در عہد سفر کی علامتی معنویت کو اُجاگر کریں گے۔

اٹھارہویں صدی کے آخر میں سرنگا پٹم کے سقوط کے بعد وہ خود نوشت خواب نامہ بھی برطانوی فوج نے ضبط کر لیا تھا جسے ٹیپو سلطان اپنی خواب گاہ کے رائٹنگ ٹیبل کے ایک خفیہ دراز میں رکھا کرتے تھے۔اِس خواب نامہ کو انڈیا آفس لائبریری کے سپرد کرتے وقت اِس کے سرورق پر جو عبارت لکھی تھی اُس کی آخری سطر درج ذیل ہے:

"It appears that the defeat and conquest, and the destruction of the Kefers were the main subject of his sleeping than of his waking thoughts."(4)

(London, 23 April 1800)

بیداری ہو یا نیند، ٹیپو سلطان ہر آن بلادِ اسلامیۂ ہند (United States of Muslims India) کی سمندری سرحدوں پر لہر در لہر اُمڈتی ہوئی برطانوی یلغاروں کا منہ موڑ دینے کی تدابیر پر فکر و عمل میں مصروف رہا کرتے تھے۔یہاں میں اپنے اِس موقف کی تائید میں اُن کے خواب نامہ میں سے فقط چار خواب پیش کرنا کافی سمجھتا ہوں:

خواب،۱

''میں دیکھتا ہوں کہ مرہٹہ فوج یہاں آ پہنچی ہے اور میں اس کے سردار کو آگے بڑھ کر دست بدست مقابلہ کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔مرہٹہ فوج کا ایک مسلمان سردار میری دعوت قبول کرتا ہے۔اسی دوران دونوں فوجیں میدانِ جنگ میں ایک دوسرے کے مقابل صف بستہ ہو جاتی ہیں۔میں خدا تعالیٰ کی مدد سے اس سردار کا جو کفار کے ساتھ ملا ہوا تھا مقابلہ کرتا ہوں اور اپنی تلوار کی ہی ضرب سے اس مشرک کا کام تمام کر دیتا ہوں۔''

خواب،۲

''میں نے دیکھا کہ میں دہلی کے قریب پڑاؤ ڈالے ہوئے ہوں اور مرہٹہ سردار سندھیا بھی ہماری طرف اپنی فوج

لیے نزدیک ہی پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے اور دہلی کی فوج کا ایک سردار ہمارے نزدیک کھڑا ہے۔ میں قاصد بھیج کر اس کو اپنے پاس بلاتا ہوں۔ وہ اور قطب الدین خان نزدیک آ کر میرے سامنے بیٹھ جاتے ہیں اور میں ان کے سامنے تسبیح رکھ کر ان دونوں سرداروں کو کہتا ہوں کہ وہ اپنی اور قطب الدین خان سرکار کی فوجوں کے ساتھ کفار کا مقابلہ کرنے کے لیے صف بستہ ہو جائیں اور میں دہلی کا بندوبست کر کے اور وہاں کے تخت پر ایک نئے بادشاہ کو بٹھا کر واپس آتا ہوں کیونکہ اس سے ملّت اسلامیہ مضبوط ہوگی اور اس کے بعد میں کفار کو مکمل طور پر تباہ کر سکوں گا۔ اسی گفتگو میں مصروف تھے کہ میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اٹھ کر فوراً اس خواب کی تفصیلات کاغذ پر قلمبند کر لیں۔''

خواب ۳

''میں دیکھتا ہوں کہ حشر کا دن ہے اور ہر شخص ایک دوسرے سے بے پرواہ ہے۔ اس وقت ایک روشن چہرے اور سرخ ریش والا قوی ہیکل عرب آتا ہے اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہتا ہے کہ تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں؟ میں جواب دیتا ہوں کہ میں نہیں جانتا۔ یہ سن کر وہ فرماتے ہیں کہ مرتضیٰ علی ہوں اور پیغمبر خدا نے انہیں فرمایا ہے اور اب بھی فرماتے ہیں کہ وہ تمہارے بغیر جنت میں داخل نہ ہوں گے اور تمہارا انتظار کریں گے اور تمہارے ساتھ ہی جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ سن کر میں بہت خوش ہوتا ہوں اور اسی دوران میری آنکھ کھل جاتی ہے۔''

خواب ۴

''مجھے اطلاع دی جاتی ہے کہ شہر میں ایک اعلیٰ مرتبہ فرانسیسی افسر آیا ہوا ہے میں اسے بلانے کے لیے پیغام بھیجتا ہوں۔ جب وہ آتا ہے تو اس وقت میں کسی کام میں مشغول ہوتا ہوں لیکن جونہی وہ میری مسند کے قریب پہنچتا ہے میں اُٹھ کر اس سے معانقہ کرتا ہوں اور اس کو تشریف رکھنے کے لیے کہتا ہوں اور اس کی خیر و عافیت دریافت کرتا ہوں۔ فرانسیسی جواب دیتا ہے کہ وہ دس ہزار فوج لے کر سرکار خداداد کی فوج میں شامل ہونے کے لیے حاضر ہوا ہے اور یہ فوج ساحل سمندر پر جمع ہے اور اس فوج کے سب سپاہی قوی ہیکل اور تنومند جوان ہیں۔ وہ اس فوج کو ساحل سمندر پر اُتار کر وہاں حاضر ہوا ہے۔ میں اس سے کہتا ہوں کہ بہت خوب۔ خدا کے فضل و کرم سے جنگ کا سارا ساز و سامان تیار ہے اور مسلمانوں کی ہر قوم کی فوجیں جہاد کے لیے مستعد کھڑی ہیں۔ اسی دوران صبح ہو جاتی ہے اور میری آنکھ کھل جاتی ہے۔ (۵)

ٹیپو سلطان نہ صرف بلادِ اسلامیۂ ہند کی جغرافیائی سرحدوں کے تحفظ میں ہمہ وقت اور ہمہ تن منہمک رہے بلکہ انہوں نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنی سلطنتِ خداداد کے اندر معاشی انصاف اور معاشرتی مساوات کی عملداری بھی قائم کر دی تھی۔ باری علیگ اپنی کتاب بعنوان ''کمپنی کی حکومت'' میں لکھتے ہیں کہ ''سلطان نے تخت نشین ہوتے ہی زمین کو کسانوں کی ملکیت قرار دے دیا تھا۔ زمین پر کسانوں کا دائمی قبضہ تسلیم کر لیا گیا تھا۔ زمین صرف اُس کی تھی جو ہل چلائے۔ ٹیپو نے احکام جاری کر دیئے تھے کہ جو شخص زمین کے لیے درخواست کرے اُسے اُس کی ضرورت کے مطابق مفت زمین دی جائے گی'' (۶)۔ جاگیرداری نظام کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ پھینکنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے سلطانیِ جمہور کی شاہراہ بھی کھول دی تھی۔ باری علیگ اپنی اسی کتاب کے اسی باب میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ''ٹیپو سلطان کی شخصیت اس لیے

ہندوستان میں بہت بلند ہے کہ وہ پہلا حکمران ہے جس نے انقلاب پسندوں کے احتجاج کے بغیر 'سلطنتِ خداداد' میں 'مجلسِ وطنی' کا قیام عمل میں لایا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ حکومت کے تمام شعبوں کو رعایا کے سپرد کرتے ہوئے ٹیپو کی حیثیت محض ایک آئینی تاجدار کی رہ جائے۔ اِس مجلس کو اس لیے ناکام ہونا پڑا کہ یہ مروّجہ سیاسی تخیل سے بالکل جُدا چیز تھی۔''(۷) میدانِ جنگ میں ٹیپو سلطان کی شہادت اور سلطنتِ خداداد کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب میر صادق اور میر جعفر کے سے اُمرا، وزرا کی غداری تھی۔ استحصال پسند اور استبداد پیشہ حکمران طبقے کے لیے ٹیپو سلطان کی درج بالا معاشی، معاشرتی اور سیاسی اصلاحات زہرِ قاتل کی حیثیت رکھتی تھیں۔ نتیجہ یہ کہ اس طبقے نے میر جعفر اور میر صادق کے سے قومی غدّار پروان چڑھائے۔ اِن غداروں نے سات سمندر پار سے آنے والے فرنگی آقاؤں کے ساتھ ساز باز کر کے سلطنتِ خداداد کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ ''خواب نامۂ ٹیپو سلطان'' میں ہماری قومی زندگی کے یہ خدشات بیدار نظر آتے ہیں۔ قومی زوال و ادبار کا یہی سیلاب جب اٹھارہویں صدی کے نصف اوّل کو عبور کرنے لگتا ہے تو ٹیپو سلطان کے یہی اندیشہ ہائے دور و دراز حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کو ورثے میں منتقل ہو جاتے ہیں۔

جب میں حضرت شاہ ولی اللہ کے فیضان کا خیال کرتا ہوں تو مجھے بے اختیار وہ خوب یاد آتے ہیں جو انہوں نے حرمین شریفین میں دیکھے تھے۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے جب وہ سرزمینِ حجاز میں اعلیٰ تعلیم کی منازل طے کرنے کے بعد درس و تدریس میں مصروف تھے۔ ایک دن خواب میں:

> ''کیا دیکھتے ہیں کہ گویا حسین اور حسن علیہم السلام میرے گھر تشریف لائے اور حسنؑ کے دست مبارک میں ایک قلم ہے جس کی زبان (نوک) ٹوٹی ہوئی ہے۔ حضرت حسنؑ نے اپنا ہاتھ بڑھایا تاکہ وہ قلم مجھے عطا فرمائیں اور فرمایا کہ یہ قلم میرے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ پھر فرمایا کہ اسے حسینؑ سے درست کر الیں تب دوں گا۔ جیسا حسینؑ درست کر سکتے ہیں کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ پھر حسینؑ نے اس قلم کو لے لیا اور درست فرمایا۔ میں یہ انعام پا کر بہت خوش ہوا۔ پھر ایک چادر لائی گئی جس پر دھاریاں بنی ہوئی تھیں۔ ایک دھاری سبز ایک سفید۔ یہ چادر ان دونوں حضرات کے سامنے رکھی گئی پھر حضرت حسینؑ نے فرمایا کہ یہ چادر میرے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ پھر وہ چادر مجھے اُڑھا دی گئی۔ تب میں نے تعظیماً اس کو اپنے سر پر رکھ لیا اور حق تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا''۔(۸)

حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''حجۃ اللہ البالغہ'' کے دیباچہ میں بھی اس خواب کا حوالہ دیا ہے۔ علاوہ ازیں اُن کی کتاب ''فیوض الحرمین'' میں بھی اس خواب کی تفصیلات دی گئی ہیں۔ سرزمینِ حجاز میں انہوں نے اس طرح کے خواب بار بار دیکھے۔ اسی طرح کے ایک اور خواب کا ذکر بھی اسی کتاب میں ملتا ہے۔ لکھتے ہیں کہ جمعہ کی ایک شب:

> ''میں نے دیکھا کہ کفار کا راجہ مسلمانوں کے بلاد پر مسلط ہو گیا ہے اور اُن کے اموال کو اُس نے لوٹ لیا ہے۔ اُن کی عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا ہے۔ اجمیر شہر میں اُس نے کفر کے شعائر کا اعلان کر دیا ہے۔ شعائرِ اسلام کو اُس نے مٹا دیا ہے۔ پھر اُس کے بعد یہ دیکھا کہ زمین کے باشندوں پر حق تعالیٰ غضبناک ہوئے۔ پھر وہاں سے ٹپک ٹپک کر وہی الٰہی غضب میرے اندر اُترا۔ میں نے اپنے آپ کو غضبناک

پایا۔ میں نے دیکھا کہ میں ایک بڑے مجمع میں ہوں جس میں روم والے بھی ہیں اور ترک بھی اور عرب بھی۔ اُن میں سے بعض اونٹوں پر سوار تھے، بعض گھوڑوں پر اور بعض پیدل۔ قریب قریب اس گروہ کی حالت ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے عرفہ کے دن حاجیوں کی ہوتی ہے۔ پھر میں نے اِن لوگوں کو بھی غصے میں بھرا ہوا پایا۔ لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے؟ میں نے کہا: **فك كل نظام**.....مروجہ نظام کی مکمل تباہی ہے۔ یہی حکم ہے''۔ **(۹)**

شاہ ولی اللہ نے اپنے روحانی سفر نامہ ''فیوض الحرمین'' میں جو خواب درج کیے ہیں اُن کی علامات پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ غیبی اشارے ہیں۔ حرکت و عمل کی سمت و رفتار متعین کرنے والے یہ اشارات بالآخر شاہ ولی اللہ کو ہندوستان واپس لے آتے ہیں اور وہ حضرت امام حسینؑ کے بنائے ہوئے قلم کو سنبھال لیتے ہیں۔ مروجہ ظالمانہ نظام کی مکمل تباہی اور اُس کی جگہ حقیقی اسلام کے ابدی اصولوں پر مبنی انقلابی معاشرے کی تشکیل و تعمیر ان کا علمی اور عملی نصب العین بن جاتا ہے۔ اس اجتماعی انسانی نصب العین کے حصول کی خاطر وہ ایک مقدس بے چینی کے ساتھ سرگرمِ عمل ہو جاتے ہیں۔

جنوبی ایشیا کی تاریخ میں اسلام کے احیاء اور مسلمان سوسائٹی کی تجدید کے سب سے بڑے علمبردار حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۷۰۳ء.....۱۷۶۲ء) اورنگزیب عالمگیر کی وفات سے ٹھیک چار سال پہلے شاہ عبدالرحیم کے گھر پیدا ہوئے۔ شاہ عبدالرحیم دنیائے اسلام کی عظیم دانشگاہ ''مدرسۂ رحیمیہ'' کے بانی سربراہ تھے۔ ولی اللہ نے اپنی ابتدائی تعلیم و تربیت اسی مادرِ علمی میں حاصل کی۔ مروجہ علوم میں اعلیٰ ترین تربیت کے مختلف مراحل طے کرتے ہوئے یہیں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ پھر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے جہاں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد اسی تاریخی دانشگاہ میں تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا۔

شاہ ولی اللہ کی علمی اور عملی سرگرمیوں نے ''مدرسۂ رحیمیہ'' کو اُس انقلابی تحریکِ اصلاح کا یادگار مرکز بنا دیا جسے ہماری تاریخ میں ولی اللہٰی تحریک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی مدرسۂ رحیمیہ میں شاہ ولی اللہ کی تحریکِ اصلاح نے سیّد احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید کی تحریکِ جہاد کا روپ ڈھالا۔ اسی عظیم درسگاہ میں بیٹھ کر ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیز نے مسلمانوں کو انگریزی زبان اور سائنسی علوم حاصل کرنے کی تلقین کی۔ انگریزی تعلیم کے حق میں اس فتوے کے ساتھ ساتھ ۱۸۰۴ء میں یہیں سے یہ فتویٰ بھی جاری کیا گیا تھا کہ دہلی اور گردونواح کا انتظام ایسٹ انڈیا کمپنی کے سپرد ہو جانے کے بعد مسلم انڈیا دارالحرب بن چکا ہے۔

مغربی علوم کے حق میں مگر مغربی سامراج کی مخالفت میں مدرسۂ رحیمیہ سے پھوٹنے والی تعلیمات کو ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے لیے سب سے بڑا خطرہ تصور کرتی تھی۔ اٹھارہ سو ستاون میں دہلی پر دوبارہ قبضہ کرتے ہی انگریزوں نے سب سے پہلے مدرسۂ رحیمیہ کی شاندار عمارت کو مسمار کیا، اس کی زمین رائے بہادر لالہ رام کشن داس کے ہاتھ فروخت کر دی، اور لالہ جی کو مجبور کیا کہ وہ یہاں ایک کاروباری مرکز بنائیں تاکہ اس جگہ دوبارہ مدرسۂ رحیمیہ بنانے کی نوبت کبھی نہ آئے۔

شاہ ولی اللہ کی ولادت جس ہندوستان میں ہوئی اسے ہماری تاریخ اُسے بلادِ اسلامیۂ ہند (Muslim India) کے نام سے یاد کرتی ہے۔ بلادِ اسلامیۂ ہند یعنی یونائیٹڈ سٹیٹس آف مسلم انڈیا کی وسعت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ آج کا افغانستان بھی اورنگزیب عالمگیر کے بلادِ اسلامیۂ ہند کا ہی ایک انتظامی یونٹ تھا۔ شاہ ولی اللہ نے ہوش کی آنکھیں کھولتے ہی مسلمانوں کی اس طویل و عریض

سلطنت کو انتشار اور تخریب کی لپیٹ میں پایا۔ سیاسی عدم استحکام، معاشی انتشار اور معاشرتی ابتری کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اورنگزیب کے انتقال سے لے کر برٹش انڈین ایمپائر کے قیام تک کے ڈیڑھ سو سال ''اورنگزیب کے نااہل جانشینوں کا دورِ حکومت'' کہلاتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کے اٹھاون سالہ دورِ حیات میں یکے بعد دیگرے گیارہ مغل بادشاہ تخت نشین ہوئے۔ یہ بھی ہوا کہ فقط ایک سال کے اندر دو بادشاہ آئے بھی اور گئے بھی۔ سید محمد متین ہاشمی نے شاہ ولی اللہ کی ولادت کے زمانے کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

> ''مسجدیں ویران تھیں، خانقاہوں میں اندھیرا چھایا ہوا تھا، محل سازشوں کی آماجگاہ اور عیاشیوں اور ہوس پرستی کے مراکز بنے ہوئے تھے۔ مغلوں کے اقتدار کا چراغ ٹمٹمار ہا تھا۔ صرف ایک جھونکے کا انتظار تھا۔ ان حالات کو دیکھ کر انگریزوں، پرتگالیوں اور فرانسیسیوں کی حرص آلودہ نگاہیں ہندوستان پر پڑ رہی تھیں۔ غرض کہ ہر طرف تاریکی تھی..... ایک بھیانک تاریکی میں، نشانِ منزل گم اور چراغِ راہ بجھا ہوا۔'' **(۱۰)**

یہ تو تھی مسلم انڈیا (بلادِ اسلامیۂ ہند) کی صورتِ حال، پوری دنیائے اسلام کی صورتِ حال اسی صورتِ حال سے گہری مماثلت رکھتی تھی۔ مسلمان ممالک کے ساحلوں پر انگریز، فرانسیسی، ولندیزی (ڈچ) اور پرتگیزی سامراج کے ہراول دستے..... تاجر اور پادری..... لنگر انداز تھے۔ شاہ ولی اللہ نے تیس سال کی عمر میں اعلیٰ تعلیم کی خاطر مکہ مکرمہ جاتے وقت، اللہ کے گھر کو جانے والے تمام راستوں پر مغربی سامراج کو اپنی چھاؤنیاں قائم کرتے ضرور دیکھا ہوگا۔ اِس عہد کی اُردو غزل پر مغربی سامراج کے سائے لرزاں ہیں۔ یہاں میں فقط چند اشعار پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں:

غزالاں، تم تو واقف ہو، کہو مجنوں کے مرنے کی
دِوانہ مر گیا، آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

.....رام نارائن موزوں، کا جنگِ پلاسی میں سراج الدولہ پر فریاد

ہندوستاں کی دولت و حشمت جو کچھ کہ تھی
کافر فرنگیوں نے بہ تدبیر چھین لی

.....غلام ہمدانی مصحفی

غیر نے ہم کو ذبح کیا ہے، طاقت ہے، نَے یارا ہے
اُس کتے نے کر کے دلیری، صیدِ حرم کو پھاڑا ہے

.....ٹیپو سلطان کی شہادت پر میر تقی میر کی فریاد

یاں کے سپید وسیاہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے
رات کو رو رو صبح کیا اور دن کو جوں توں شام کیا

.....میر تقی میر

چور اچکے، سکھ مرہٹے، جو بھی ہیں، زرخواہاں ہیں
چین سے ہیں جو کچھ نہیں رکھتے، فقر بڑی دولت ہے یہاں

.....میر تقی میر

کان نجوما او مضت فی الغیاھب
عیون الا فاعی او رؤس العقارب

.....شاہ ولی اللہ

ترجمہ: تاریک رات میں چمکتے ہوئے ستارے مجھے ناگوں کی آنکھیں دکھائی دیتے ہیں یا بچھوؤں کے سَر۔

اس صورت حال کا گہرا تجزیہ کرنے کے بعد شاہ ولی اللہ اس نتیجے پر پہنچے کہ جنوبی ایشیا کی مسلمان سوسائٹی مٹ جانے کے خطرات سے دوچار ہے۔ بلادِ اسلامیۂ ہند کے ساحلوں پر یورپ کی سامراجی طاقتیں اترتی چلی آ رہی ہیں۔ اِن طاقتوں کی باہمی کشمکش میں ایسٹ انڈیا کمپنی کامیاب ہوتی نظر آتی ہے جس نے لقمہ بہ لقمہ ہندوستان کو ہڑپ کرنا شروع کر دیا ہے۔ اندرونِ ہند سکھ، جاٹ اور مرہٹے زور پکڑتے جا رہے ہیں۔ ہندوستان پر غلبہ حاصل کرنے میں کوشاں ان تمام اندرونی اور بیرونی قوتوں کو اورنگزیب کے نااہل جانشیں ہرگز شکست نہیں دے سکتے۔ اندرونِ ہند وحشت و بربریت کی ان قوتوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے شاہ ولی اللہ نے دو رُخی حکمتِ عملی وضع کی:

(۱)..... امکانی طور پر کسی غیر مسلم قوت کی غلامی میں مسلمان بن کر زندہ رہنے کا طریقہ

(۲)..... ہندوستان کے اندر سے سر اٹھانے والی انسان دشمن قوتوں کا سر کچلنے کے لیے احمد شاہ ابدالی کو حملے کی دعوت

جہاں تک اس حکمتِ عملی کے پہلے اور علمی رُخ کا تعلق ہے حضرت شاہ ولی اللہ نے مسلمانوں کو طرح طرح کے بے معنی انتشار سے نکال کر اسلامی وحدت کا راستہ دکھایا۔ انہوں نے خود کو جامع المتفرقین قرار دیا ہے۔ اُن کا مشن مختلف فرقوں کے مابین تقسیم ہو کر رہ جانے والے مسلمانوں کو اپنی مشترک دینی، تہذیبی اور تاریخی اساس پر متحد ہونے کا درس دیا ہے۔ تمدن، تصوف، شریعت، کلام.....علم و عمل کے ہر شعبے میں ایک دوسرے سے دست و گریباں مسلمانوں کو شاہ ولی اللہ نے اشتراک، اعتدال اور توازن کے صراطِ مستقیم پر لا ڈالنے کے لیے اپنی جان تک کی بازی لگا دی۔ اُن کے خیال میں مروجہ اسلام حقیقی اسلام سے بہت دور بھٹک گیا تھا۔ مسلمانوں کو اس گمراہی سے نکالنے کے لیے انھوں نے ضروری سمجھا کہ وہ انھیں قرآن حکیم کے پیغام کی جانب متوجہ کریں۔

شاہ ولی اللہ نے بڑی جرأت کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ قرآن حکیم کا صرف اور صرف ایک معجزہ ہے اور وہ ہے قرآنِ حکیم کا انقلابی پیغام۔ جب بھی ہم اس پیغام پر عمل کریں گے دُنیا میں معجزے کر دکھائیں گے۔ عمل تب ہی ممکن ہے جب ہم قرآن حکیم کے پیغام کو خود سمجھیں۔ اس مقصد کی خاطر انھوں نے ''فتح الرحمان'' کے عنوان سے قرآنِ حکیم کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ بعد ازاں انھوں نے اپنے بیٹے شاہ عبدالقادر سے قرآنِ حکیم کا آسان اردو میں ترجمہ کرایا۔ مقصد یہ تھا کہ عام مسلمان قرآنِ حکیم کے پیغام کو خود سمجھیں۔ اس پر اُن لوگوں کو بہت غصہ آیا جو قرآنِ کریم کے پہلے فارسی ترجمے اور پہلے اُردو ترجمے کو قرآنِ پاک کی توہین سمجھتے تھے۔ نہیں، وہ جانتے تھے کہ قرآن تو نازل ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ لوگ اللہ کے پیغام کو سمجھیں اور اُس پر عمل کریں۔ اصل بات اجارہ داری کی ہے۔ اللہ کے پیغام پر اجارہ داری قائم رکھنے والوں کو خطرہ

محسوس ہوا کہ عام مسلمان اُن کے چنگل سے نکل جائے گا۔ چنانچہ انھوں نے اکٹھے ہوکر فتح پوری کی مسجد میں شاہ ولی اللہ پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس حملے کا ذکر درج ذیل الفاظ میں کیا ہے:

''ترجمہ قرآن'' کی بنیاد پر دلی کے بعض پرانے خیال کے مولویوں نے آپ سے اختلاف کیا اور اختلاف کو اس حد تک پہنچا دیا کہ عوام میں کافی بدظنی اور برہمی پیدا ہوئی۔ اسی سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ فتح پوری کی مسجد میں تقریباً سوسوا سو لچوں اور بدمعاشوں کو لے کر بعض ملاؤں نے آپ کو گھیر لیا۔ شاہ صاحب کے ساتھ چند رفقاء اور آپ کے ہاتھ میں صرف ایک پتلی لکڑی تھی۔ اس لکڑی کو لے کر اس خونی مجمع میں جو باضابطہ تلواروں اور دوسرے ہتھیاروں سے مسلح تھا غیر معمولی جوش کی حالت میں اللہ اکبر کا ایک نعرہ مارا اور اس جماعت کو چیرتے پھاڑتے نکلتے چلے گئے۔''(۱۱)

افسوس، صد افسوس کہ یہ مولوی حضرات اُس کامل ولی اللہ کو اسلام کے لیے خطرہ سمجھ کر قتل کر دینا چاہتے تھے جس نے اسلام کی نئی زندگی اور اسلامیانِ ہند کی مسلمان شناخت کی بقا کی خاطر اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ وقف کر رکھا تھا۔ اس سے بھی زیادہ بھیانک واقعہ حضرت شاہ ولی اللہ کے ہاتھوں کے پنجوں کو اُتروا لینے سے عبارت ہے۔ سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ جنونی اپنی اس دہشت گردی کو اسلام کی خدمت قرار دے رہے تھے۔ شاید یہی تاریخی سانحات غالب کے اِن اشعار کا سرچشمۂ فیضان ہیں:

لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خونچکاں
ہر چند اِس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

.....

دردِ دل لکھوں کب تک، جاؤں اُن کو دکھلا دوں
اُنگلیاں فِگار اپنی خامہ خونچکاں اپنا

اپنی کتاب ''تفہیماتِ الٰہیہ'' میں شاہ ولی اللہ نے اپنے زمانے کے تمام طبقات کی قیادت کو ایک ایک کر کے مخاطب کیا ہے اور ہر طبقے کی قیادت کو اُس کی کمزوریوں سے آگاہ کیا ہے۔ علماء و مشائخ سے اپنے خطاب میں انہوں نے سوال اُٹھایا کہ:

''دین میں خشکی اور سختی کی راہ اختیار کرنے والوں سے میں پوچھتا ہوں اور واعظوں، عابدوں اور ان کنج نشینوں سے سوال ہے جو خانقاہوں میں بیٹھتے ہیں کہ بہ جبر اپنے اوپر دین کو عائد کرنے والو! تمہارا کیا حال ہے۔ ہر بُری بھلی بات، ہر رطب و یابس تمہارا ایمان ہے۔ لوگوں کو تم جعلی اور گھڑی ہوئی حدیثوں کا وعظ سُناتے ہو۔ اللہ کی مخلوق پر تم نے زندگی تنگ کر چھوڑی ہے حالانکہ تم تو (اے امتِ محمدیہ) اس لیے پیدا ہوئے تھے کہ لوگوں کو آسانیاں بہم پہنچاؤ گے نہ اس لیے کہ ان کو دشواریوں میں مبتلا کر دو گے۔ چاہیے کہ مقامِ احسان کی طرف لوگوں کو بلاؤ پہلے اسے خود سیکھ لو پھر دوسروں کو دعوت دو۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ سب سے بڑی رحمت اور سب سے بڑا کرم اللہ کا وہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنچایا ہے۔ وہی صرف ہدایت ہے جو آپ کی ہدایت ہے۔ پھر تم کیا بتا سکتے ہو کہ جن افعال کو تم

کرتے ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابہ کرامؓ کیا کرتے تھے؟''(۱۲)

مروجہ اسلامی رسومات کی اصلاح اور اسلام کی حقیقی روح کی بازیافت کی خاطر شاہ ولی اللہ کی علمی سرگرمیوں سے فقط یہی لوگ خائف نہیں تھے بلکہ حکمران بھی ان سے خوف کھاتے تھے۔ امیر شاہ خان نے اپنی کتاب ''امیر الروایات'' کے صفحہ ۴۴ پر لکھا ہے کہ دہلی کے حکمران نجف علی خان نے ''شاہ ولی اللہ صاحب کے پنجے اتروا کر ہاتھ بیکار کر دیئے تھے تاکہ وہ کوئی کتاب یا مضمون نہ تحریر کر سکیں۔'' اپنی اسی کتاب ''تفہیمات الٰہیہ'' میں انھوں نے مسلمان سلاطین کی گمراہیوں، نادانیوں اور اوباشیوں کا کھل کر تذکرہ کیا ہے۔ سلاطین کو خود احتسابی کا درس دیتے وقت انھیں قرآنِ حکیم کے پیغام کی جانب متوجہ کیا ہے۔

شاہ صاحب کا کہنا یہ ہے کہ کسی ایسی سوسائٹی میں اسلامی اخلاق نہ تو پیدا ہو سکتا ہے اور نہ پنپ سکتا ہے جس کی معاشی تنظیم فرعونی اصولوں پر قائم ہو۔ اقتصادی انصاف اور انسانی اخوت و مساوات کا قرآنی انقلاب حکمران طبقے کے مفادات کے لیے موت کا پیغام ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ کو تصنیف و تالیف سے باز رکھنے کے لیے نجف خان کو اُن کے ہاتھ قلم کر دینے کی سوجھی تھی۔ خانہ جنگی، جبر و تشدد اور لاقانونیت کی اس فضا میں بھی شاہ ولی اللہ نے چھیالیس کتابیں تصنیف کیں جن میں سے حجۃ اللہ البالغہ کو اسلام میں جدیدیت کا سرچشمہ قرار دینا بے جا نہ ہوگا۔ اُن کے علمی کارناموں کا احاطہ کرتے ہوئے مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں:

> ''شاہ ولی اللہ ایک مسلک وسط کے پا لینے میں کامیاب ہوئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی فقہ بھی بچ گئی، تصوف کی تباہی سے محفوظ رہا قدیم علم کلام کی بنیاد پر ایک جدید علم کلام کی بنیاد ان کے ہاتھ سے قائم ہوگئی۔ شاہ ولی اللہ نے ایک محتاط، متوازن قدم اٹھایا کہ اسلام کے اساسی سرچشموں یعنی قرآن اور حدیث کے ساتھ اہلِ علم کے تعلقات نئے سرے سے تر و تازہ ہو گئے۔ تقلید جامد کا طلسم ٹوٹ گیا اور آزادیٔ رائے کے ساتھ تحقیق کا دروازہ کھل گیا''۔ (۱۳)

اگر ہماری تہذیبی، سائنسی اور فکری حیاتِ نو کا علمی ساز و سامان فراہم کرنا شاہ ولی اللہ کی تحریکِ اصلاح کا ایک رُخ تھا تو سیاسی زوال کے سیلاب کو روکنے اور چوراُچکوں، سکھ مرہٹوں کی سی قوتوں کے بے یار و مددگار مسلمان معاشرے پر تسلط کو ختم کرنے کے لیے دفاعی ساز و سامان فراہم کرنا دوسرا رُخ تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ مرہٹے دہلی کے تخت و تاج پر قابض ہونے کو ہیں تو انہوں نے احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی کہ وہ مرہٹہ قوت کو کچلنے کے لیے ہندوستان پر حملہ کر دے۔ احمد شاہ ابدالی کے نام اپنے ایک سیاسی خط میں حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

> ''ملک ہندوستان میں غیر مسلموں کے غلبہ کی نوعیت یہ ہے جو معرض بیان میں آئی اور مسلمانوں کا ضعف اس حد تک پہنچ گیا جو لکھا گیا۔ اس زمانہ میں ایسا پادشاہ جو صاحبِ اقتدار و شوکت ہوا اور لشکرِ مخالفین کو شکست دے سکتا ہو، دُور اندیش اور جنگ آزما ہو، سوائے آنجناب کے کوئی اور موجود نہیں ہے۔ یقینی طور پر جنابِ عالی پر فرض عین ہے۔ ہندوستان کا قصد کرنا اور مرہٹوں کا تسلط توڑنا اور ضعفائے مسلمین کو غیر مسلموں کے پنجے سے آزاد کرنا۔ اگر غلبۂ کفر، معاذ اللہ، اسی انداز پر رہا تو مسلمان اسلام کو فراموش کر دیں گے اور تھوڑا زمانہ نہ گزرے گا کہ یہ مسلم قوم ایسی قوم بن جائے گی کہ اسلام اور

غیر اسلام میں تمیز نہ ہو سکے گی۔ یہ بھی ایک بلائے عظیم ہے، اس بلائے عظیم کے دفع کرنے کی قدرت بفضلِ خداوندی جناب کے علاوہ کسی کو بھی میسر نہیں ہے۔

''ہم بندگانِ الٰہی، حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع گردانتے ہیں اور خدائے عزوجل کے نام پر التماس کرتے ہیں کہ ہمتِ مبارک کو اس جانب متوجہ فرما کر مخالفین سے مقابلہ کریں، تاکہ خدائے تعالیٰ کے یہاں بڑا ثواب جناب کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے، اور مجاہدین فی سبیل اللہ کی فہرست میں نام درج ہو جائے، دنیا میں بے حساب نعمتیں ملیں اور مسلمان دستِ کفار سے خلاصی پا جائیں۔ خدا سے پناہ مانگتا ہوں، اس بات سے کہ نادر شاہ کی طرح عمل ہو..... کہ وہ مسلمانوں کو زیر و زبر کر گیا اور مرہٹہ و جٹ کو سالم و غانم چھوڑ کر چلتا بنا۔ نادر شاہ کے بعد سے مخالفین قوت پکڑ گئے اور لشکرِ اسلام کا شیرازہ بکھر گیا اور سلطنتِ دہلی بچوں کا کھیل بن گئی۔ پناہ بخدا، اگر قومِ کفار اسی حال پر رہے اور مسلمان ضعیف ہو جائیں تو اسلام کا نام بھی کہیں باقی نہ رہے گا''۔ (۱۴)

حضرت شاہ ولی اللہ کی تمنا اس اعتبار سے تو پوری ہوئی کہ احمد شاہ ابدالی آیا اور اُس نے مرہٹوں کو اس طرح خاک میں ملا ڈالا کہ پھر وہ نہ اُٹھ سکے مگر اس اعتبار سے پوری نہ ہوئی کہ بلادِ اسلامیۂ ہند میں ایک مستحکم حکومت قائم کرنے کی بجائے ابدالی بھی نادر شاہ کی طرح واپس لوٹ گیا۔ مسلمان سلاطین کے اس چلن نے شاہ ولی اللہ اور اُن کی تحریک کے دوسرے قائدین میں مایوسی کی بجائے ایک نئی راہِ عمل اُجاگر کر دی۔ اب وہ حکمران طبقے سے مایوس ہو کر عامۃ المسلمین کو متحرک اور منظّم کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ مدرسۂ رحیمیہ ہی میں شاہ ولی اللہ کے جانشینوں نے اُن کی اصلاحی تحریک کو تحریکِ جہاد میں ڈھال دیا۔

سیّد احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید کی تحریکِ جہاد کا مقدر بھی ناکامی ہی ٹھہرا اور سن ستاون کی تحریکِ آزادی بھی رائیگاں گئی۔ مدرسہ رحیمیہ کی عمارت بھی انگریزوں کی توپوں نے مسمار کر دی مگر یہ وحشیانہ فوجی کارروائی مدرسۂ رحیمیہ کی روح کو نہ مٹا سکی۔ اسی مدرسہ میں زیرِ تعلیم طالب علموں کے آخری گروہ میں سے سرسیّد احمد خان اُٹھے اور انھوں نے خُدا کا شکر ادا کیا کہ سکھوں، جاٹوں یا مرہٹوں کا غلام ہو جانے کی بجائے سات سمندر پار سے آنے والے اہلِ کتاب کی غلامی نصیب ہوئی۔ سرسیّد احمد خاں غلامی پر نالاں تھے مگر خوب سمجھتے تھے کہ مغلوں کے حکمران طبقے میں اب وہ اوصاف باقی نہیں رہے جن کی بدولت انھوں نے صدیوں پہلے بلادِ اسلامیۂ ہند کی بنیاد رکھی تھی۔ سرسیّد احمد خان نے جدید علوم و فنون سے اپنی قوم کو بہرہ ور کرنے کے لیے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی بنیاد رکھی۔ یہ بھی گویا حضرت شاہ ولی اللہ کے مدرسۂ رحیمیہ ہی کا ایک نیا روپ تھا۔

مولانا الطاف حسین حالی نے اپنی کتاب ''حیاتِ جاوید'' کے آخر میں جو ضمیمہ جات درج کیے ہیں اُن میں سے ایک (ضمیمہ :۳) سے ایک کا عنوان ''سرسید کے چند خواب'' ہے۔ اِن خوابوں کے دوران سرسیّد بار بار آنحضورؐ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ کی زیارت سے فیضیاب ہوتے ہیں اور اِن مبارک ہستیوں سے قومی و ملّی تعمیرِ نو کے اشارے پاتے ہیں۔ میں یہاں اُن کا فقط ایک خواب پیش کر دینا کافی سمجھتا ہوں:

''سیّد بجنور میں تھے کہ انھوں نے دیکھا کہ ایک شخص سفید پوش آئے اور اُن کو ایک قلمدان کشمیر کا بنا ہوا نہایت نفیس

دے کر چلے گئے اور خواب ہی میں ان کو یقین ہوا کہ وہ علی مرتضیٰؓ تھے۔‘‘(۱۵)

اوّل اوّل تلوار اور بعد ازاں قلم سنبھال کر قومی و ملّی حیاتِ نو کا سامان کرنے میں منہمک ہو جانے کا یہ خواب عہد در عہد سفر کرتا ہوا سر سیّد احمد خاں تک پہنچا ہے۔ سر سیّد احمد خاں کے بزرگ ہمعصر مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ نے جاگتے میں یہ کہا تھا کہ میں نے اپنے اجداد کی ٹوٹی ہوئی تلوار کو قلم بنا لیا ہے۔ غالبؔ ہی نے بصد حسرت و یاس کہا تھا:

کوئی نہیں ہے اب ایسا جہان میں غالبؔ
جو جاگنے کو ملا دیوے آ کے خواب کے ساتھ!

سر سیّد احمد خاں نے حضرت علی مرتضیٰؓ کے مرحمت کیے ہوئے اِس قلم سے اپنے قومی زوال کو عروج میں بدلنے کی تمنّا میں عقلیت پسندی کی اُس تحریک کو جنم دیا جو اقبال کے ہاں پہنچتے ہی عشق و جنوں میں ڈھل گئی۔ جب اقبال حلق کی مہلک بیماری میں مبتلا ہوئے تو ایک رات سر سید احمد خاں خواب میں آئے۔ تین اپریل سن انیس سو چھتیس کی رات جب اقبال دارالاقبال بھوپال میں مقیم تھے سر سید احمد خاں نے خواب میں اشارہ کیا کہ وہ آنحضورﷺ کی خدمتِ اقدس میں اپنی خرابیِ صحت کا مقدّمہ پیش کریں۔(۱۶) اقبال کی نظم ’’در حضورِ رسالت مآبؐ ‘‘(پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق!) کا سرچشمۂ فیضان یہی خواب ہے۔ یہ بات بہت معنی خیز ہے کہ جناب رسالت مآبؐ کے حضور پہنچتے ہی اقبال اپنی بیماری بھول جاتے ہیں اور قوم کی بیماری کا تذکرہ چھیڑ دیتے ہیں۔ اپنی قوم کے دِل سے موت کا ڈر دُور کر دینے کی التجا کرنے سے پہلے اقبال اپنی ذات پر آنحضورؐ کے احسانات گنواتے ہیں:

سوختی لات و منات کہنہ را
تازہ کر دی کائنات کہنہ را
در جہان ذکر و فکر انس و جان
تو صلوٰت صبح، تو بانگِ اذاں
لذّت سوز و سُرور از لا الہ
در شب اندیشہ نور از لا الہ
نَے خداہا ساختیم از گاو و خر
نَے حضور کاہنان افکندہ سر
نَے سجودی پیش معبودان پیر
نَے طواف کوشک سلطان و میر
ایں ہمہ از لطف بی پایاں تست
فکر ما پروردۂ احسان تست

اقبال اپنی ذات پر دینِ اسلام کے احسانات گِنواتے ہوئے آنحضورؐ کی تعلیمات کے اُس فیضانِ عظیم کا اعتراف کرتے ہیں جس کی بدولت نہ اُنہوں نے گائے اور گدھے کو خدا سمجھا اور نہ ہی کاہنوں کے آگے سر جھکایا۔ نہ جھوٹے خداؤں کے آگے سجدہ ریز ہوئے

اور نہ ہی امراء وسلاطین کے آستانوں کے طواف پر مجبور ہوئے۔غور سے دیکھا جائے تو پیغمبر آخرالزماںؐ کے جملہ احسانات فقط شاعر کی ذات ہی پہ نہیں بلکہ پوری کائنات پر ہیں جسے آنحضورؐ نے کہنگی اور فرسودگی سے نجات دلا کر تازگی، توانائی اور ارتقائی رفتار بخش دی تھی۔ یہ احسانات ساری دُنیائے انسانیت پر ہیں جسے آپؐ نے ملوکیت کے استبداد اور مُلّائیت کے توہمات سے رہائی دلا کر ہر آن ارتقائے حیات کی راہوں پر گامزن رہنے کا حوصلہ بخش دیا تھا۔احسان مندی کے اس گہرے احساس میں ڈوب کر جب اقبال دُنیائے اسلام کی عصری صورتِ حال کا خیال کرتے ہیں تو اُنہیں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے دینِ اسلام کی حقیقت خرافات میں کھو کر رہ گئی ہو اور دُنیائے اسلام کے گوشے گوشے پر محمد مصطفیٰؐ کی بجائے ابولہب کی حکومت قائم ہوگئی ہو!

در عجم گردیدم و ہم در عرب
مصطفیٰؐ نایاب و ارزاں بولہب
این مسلمان زادۂ روشن دماغ
ظلمت آباد ضمیرش بی چراغ
این غلام ابن غلام ابن غلام
حریّت اندیشۂ او را حرام
این زخود بیگانہ این مست فرنگ
نان جو می خواہد از دست فرنگ
از فرنگی می خرد لات و منات
مومن و اندیشۂ او سومنات

آج کا مسلمان ابولہب کا طرزِ فکر و نظر اپنا لینے کے بعد ملّی غیرت اور قومی خودی سے بیگانہ ہو کر رہ گیا ہے۔ چنانچہ وہ مغربی سامراج کے تراشیدہ لات و منات کی پرستش میں منہمک ہیں۔ ہر چند خود کو مومن کہتا ہے تاہم اُس نے اپنے دل و دماغ میں بُت کدے سجھا رکھے ہیں۔دینِ حق سے انحراف کی اِس سنگین صورتِ حال میں اقبال آنحضورؐ سے التجا کرتے ہیں کہ وہ آج کے مسلمان کے دل میں اللہ ہو کی صدائے حق زندہ کر دیں، اِس کی خودی کو بیدار کر دیں اور اسے بندۂ اللہ مست کا مقامِ بلند عطا فرمائیں:

قم باذنی گوئی و او را زندہ کن
در دلش اللہ ہو را زندہ کن
ماہمہ افسونی تہذیب غرب
کشتۂ افرنگیان بے حرب و ضرب
تو از آن قومے کہ جام او شکست
وانما یک بندۂ اللہ مست
تا مسلمان باز بیند خویش را

از جہانے برگزیند خویش را

ایک ہی خواب کے ساتھ عہد در عہد سفر کرتے ہوئے جب میں یہاں آ پہنچا تو مجھے ایک بار پھر انتظار حسین کے افسانہ بعنوان ''دائرہ'' کا مرکزی کردار یاد آیا جو خواب کے عالم میں امام بارگاہ کی تلاش میں بار بار ناکام رہتا ہے اور بیداری کے عالم میں پہنچتے ہی اِس سوال پر غور کرنے لگتا ہے کہ وہ امام بارگاہ تک کیسے پہنچے گا؟ جاننا چاہیے کہ یہ خواب وہ خواب نہیں ہیں جن کی سگمنڈ فرائیڈ نے اپنے جنسی ہمہ اوست کے تصور کی روشنی میں تعبیر کرنے کا چلن اپنایا تھا۔ اِس کے برعکس یہ خواب وہ خواب ہے جس کا ذکر علامہ اقبال کے درج ذیل اشعار میں آیا ہے:

زندہ دل سے نہیں پوشیدہ ضمیرِ تقدیر
خواب میں دیکھتا ہے عالمِ نو کی تصویر
اور جب بانگِ اذاں کرتی ہے بیدار اُسے
کرتا ہے خواب میں دیکھی ہوئی دُنیا تعمیر

افسوس، صد افسوس کہ ہم آج تک عہد در عہد سفر کرتے ہوئے اس خواب کی روشنی میں اپنے لیے ایک نئی دُنیا تعمیر نہیں کر پائے۔ نتیجہ یہ کہ اِس خواب کی تکرار پر مجبور ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ انتظار حسین، شہرزاد کے نام، لاہور، ۲۰۰۲ء، صفحات: ۱۴۔۱۵

۲۔ ایضاً، ص ۱۸

۳۔ ایضاً، ص ۲۵

۴۔ خواب نامۂ ٹیپو سلطان، (تدوین و ترجمہ) سلیم الدین قریشی، لاہور، ۱۹۹۹ء، صفحہ ۸

۵۔ ایضاً، صفحات، ۲۶، ۳۰، ۴۶، ۶۶

۶، ۷۔ باری علیگ، کمپنی کی حکومت، طبع اوّل، ۱۹۳۷ء، طبع چہارم، ۱۹۶۹ء، لاہور، صفحات ۲۶۶، ۲۶۷

(۸) مولانا مناظر احسن گیلانی، تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ، کراچی، ۱۹۵۹ء، صفحہ ۲۷۲

(۹) فیوض الحرمین، اُردو ترجمہ از محمد سرور، لاہور، ۱۹۹۶ء، صفحات ۲۵۵۔۲۵۶

(۱۰) شاہ ولی اللہ دہلوی، سطعات، اُردو ترجمہ، مقدمہ از مترجم سید محمد متین ہاشمی، صفحات ۱۔۲

(۱۱) مولانا مناظر احسن گیلانی، تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ، کراچی، ۱۹۵۹ء، صفحہ ۲۲۱

(۱۲) تفہیماتِ الٰہیہ، لاہور، ۱۹۶۵ء، صفحہ ۳۵

(۱۳) تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ، صفحہ ۲۵

(۱۴) خلیق احمد نظامی، شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، لاہور، ۱۹۷۸ء، صفحات ۱۴۔۱۵۔ جناب خلیق احمد نظامی نے اپنی اسی تالیف کے

مقدمہ میں شاہ ولی اللہ کی اس دعوت کا پس منظر یوں اُجاگر کیا ہے:

''نادر شاہ کے حملہ (۱۷۳۹ء) نے مغلیہ سلطنت کا سارا ڈھانچہ بے جان کر دیا تھا، مرکز سے علیحدہ صوبوں میں خودمختاریاں قائم ہوگئی تھیں۔ سعادت علی خاں نے اودھ میں، علی وردی خاں نے بنگال میں، نظام الملک نے دکن میں آزاد حکومتوں کی بناڈال دی تھی، پنجاب میں سکھوں کا اقتدار بڑھنے لگا تھا، مغربی اور جنوبی علاقوں میں مرد مرہٹوں نے تسلط قائم کرلیا تھا اور بہار، اڑیسہ اور بنگال کو تاخت و تاراج کررہے تھے، دہلی میں ایرانی، تورانی نزاع پورے عروج پر تھا۔ اُمراء آپس کے عناد اور دوسرے فریق کو شکست دینے کی خاطر مرہٹوں سے امداد لیتے تھے اور اس طرح مرہٹوں کا اقتدار دہلی کے اردگرد کے علاقہ میں بھی بڑھ رہا تھا۔

''۱۷۵۶ء میں ملہار راؤ ہولکر اور رگھوناتھ راؤ نے شمالی علاقوں میں مرہٹوں کا اقتدار قائم کرنے کا بیڑا اُٹھایا اور جاٹوں کی امداد حاصل کر کے اگست ۱۷۵۷ء میں لاہور پر قبضہ کرلیا اور آدینہ بیگ کو اپنی طرف سے پنجاب کا حاکم مقرر کیا۔ آدینہ بیگ کے مرنے پر پنجاب میں گڑبڑ شروع ہوئی تو داتا جی سندھیا ایک بڑی فوج لے کر پنجاب کی طرف بڑھا اور حالات پر قابو پا کر سباجی سندھیا کو پنجاب کا گورنر مقرر کر دیا، یہ مرہٹوں کے عروج کی انتہا تھی، اس غیر معمولی کامیابی سے مرہٹوں کے حوصلے بڑھ گئے اور اب داتا جی سندھیا نے روہیل کھنڈ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ہندوستان کی تاریخ کا یہ نازک دور تھا۔ شاہانِ مغلیہ ان حالات میں بالکل بے بس تھے۔ امراء آپس میں جھگڑوں میں پھنسے ہوئے تھے، شاہ صاحب نے اس موقع پر ایک طرف نجیب الدولہ کو تیار کیا کہ وہ ہمت اور جرأت سے مقابلہ کرے دوسری طرف احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی کہ وہ ہندوستان آکر مرہٹوں کے تسلط سے خلاصی دلائے۔

''یہ تھے ہندوستان کے وہ ہوش ربا حالات جن میں شاہ صاحب نے احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان بلایا تھا۔ نہیں کہا جاسکتا کہ شاہ صاحب اپنے مقاصد میں کہاں تک کامیاب ہوئے لیکن اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ جنگ پانی پت نے ہندوستان کی تاریخ کا رُخ موڑ دیا''۔ (صفحہ ۴۲، ۴۳، ۴۴)

(۱۵) حیاتِ جاوید، کانپور، ۱۹۰۱ء، ضمیمہ: ۳، صفحہ ۱۰

(۱۶) شیخ عطاء اللہ (مرتب)، اقبال نامہ، لاہور، جلد اوّل، صفحہ ۴۱۴